غلطی ہائے مضامین ●●● محمد سعید الرحمٰن علوی

تحریکِ مقدسہ تحفظ ختمِ نبوت

جھوٹے مدعی کون ہیں اور سچ کیا ہے ؟

"ہندوستان جنت نشان" ایک تاریخی ضرب المثل ہے---- کہا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں مستند شہادتیں موجود ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر بھیجا گیا تو اسی خطہ میں---- یہ خطہ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں کی توجہ کا مرکز رہا۔ حال ہی میں بمبئی سے ایک صاحب علم کی ایک کتاب چھپ کر آئی ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام جیسے عظیم پیغمبر کی بعثت اسی خطہ میں ہوئی اور بھی بہت سے انبیاء و رسل کی اس خطہ میں بعثت اور یہاں ان کے آخری ٹھکانوں کا پتہ لگایا گیا ہے۔ آخری امام و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت سے قبل اس خطہ کے لوگوں کے مختلف النوع تعلقات جزیرۃ العرب کے لوگوں سے قائم تھے اور بعثت نبویؐ سے جلد ہی بعد آپ کے دوسرے خلیفہ' مراد و شاہکار رسالت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں حضرات صحابہ کرام کے قافلے اس سرزمین پر پہنچے جبکہ یہ سلسلہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بھی قائم رہا اس کے بعد سیدنا علی کے دور میں معاملات، تعطل کا شکار رہے۔ البتہ بنو امیہ کے دور میں پھر یہ سلسلہ شروع ہو گیا اور ولید بن عبدالملک اموی مرحوم کے گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے تو کمال ہی کر دیا کہ اپنے داماد اور برادر زادے محمد بن قاسم مرحوم کو جواں سالی میں یہاں بھیج کر اس خطہ کا رخ پلٹ دیا۔ اس کے بعد یہاں برابر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ اہل نظر و تحقیق کا کہنا یہ ہے کہ گیارھویں صدی ہجری سے یہ خطہ مجددین امت کا مرکز بن گیا۔ جس کی پہلی کڑی حضرت الامام مجدد الف ثانی تھے نیز ان کے ہم عصر شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور کتنے ہی ایسے حضرات تھے جن کی علمی' دینی اور روحانی توجہات اس خطہ کو منور کرتی رہیں۔ ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ' ان کے فرزندان' حضرت سید احمد شہید' شاہ اسمٰعیل شہید جیسے اکابر نسلاً" بعد نسل اس سرزمین کو منور کرتے رہے جبکہ گذشتہ صدی کے حوالہ سے شیخ الہند مولانا محمود حسن اور ان کے قافلے کے لاتعداد اکابر نے اس مشعل کو خون جگر سے روشن رکھا۔

حضرت الامام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں مغل بادشاہوں کی شاہانہ داد و دہش سے یورپین اقوام کے افراد یہاں آئے' اللہ تعالیٰ کی سرزمین کو کسی قوم اور طبقہ کے لئے بند کر دینا صحیح تو نہیں لیکن اپنے گھر میں کسی کو یوں ڈھیل دے دینا بھی ہی مصالح کے منافی ہے' افسوس کہ مغل حکمرانوں سے اس معاملہ میں بعض فاش غلطیاں سرزد ہوئیں جس کے نتیجہ میں کمپنی کے ڈائرکٹر صاحبان ملک پر قابض ہوتے چلے گئے۔ ان کے ہاتھوں یہاں کی اقوام بالخصوص مسلمانوں نے معاشی

تحریک ختم نبوت کو سبوتاژ کرنے کیلئے

مولانا یوسف بنوریؒ کے خلاف فتوے کس نے شائع کرائے ؟

طور پر بڑی زک اٹھائی اور بالآخر 1857ء کا سال آ گیا جس میں حالت وہ ہوگئی کہ مالک خیمہ سے باہر ہوگیا اور اونٹ اندر آگیا۔ اس دور میں انگریز بہادر نے جس بربریت، ظلم، ناانصافی اور جبر و استبداد کا مظاہرہ کیا وہ بڑی ہی المناک کہانی ہے لیکن اس سے بڑھ کر المناک کہانی وہ ہے جس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو یہاں کے باشندے ہوکر اپنے ہی بھائی بندوں پر ظلم توڑ رہے تھے۔ ان ضمیر فروش، قوم فروش اور ملت فروش افراد میں ہر قسم کے لوگ تھے، پیران عظام، علماء، نواب، جاگیردار، وڈیرے، اکابرین سیاست، الغرض ہر ذوق و مسلک کے

> **انگریز کے دور میں قادیانیت کے فتنے نے**
> **ملت اسلامیہ کو سب سے زیادہ پریشان کیا**
> **اور قیام پاکستان کے بعد بھی یہ فتنہ مسلط رہا**

لوگ تھے۔ کچھ لوگوں نے اپنے تعویذ گنڈوں اور روحانی مکاشفات و تصرفات سے انگریز کو سہارا دیا تو کچھ نے اپنی فضیلت علمی کو انگریز کے لئے داؤ پر لگا دیا۔ مقامی زبان کی جگہ بدیسی زبان کا فتنہ، انگریزی تعلیم کے ساتھ انگریزی تہذیب کا فتنہ، مذہبی فرقہ واریت کا فتنہ اور کتنے ہی ایسے فتنے جنہوں نے ملت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ لیکن ہمارے خیال میں سب سے بڑھ کر جس فتنہ نے ملت کے لئے پریشانی کا سامان پیدا کیا وہ قادیانیت کا فتنہ تھا جس کے بانی جناب مرزا غلام احمد صاحب تھے۔ "رؤسا پنجاب" نامی مستند کتاب کے مطابق مرزا صاحب کا خاندان قدیم سے برٹش سرکار کا خیرخواہ تھا ایسے خیرخواہ خاندان کے فرد سے بڑھ کر کون معتمد ہوسکتا تھا؟

انگریز سرکار محسوس کرتی تھی کہ اس نے ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں کے جسم تو فتح کرلئے لیکن ان کے دلوں کو فتح کرنے کا عمل باقی ہے، مسلمان مار کھا کھا کر اور دکھ اٹھا اٹھا کر انگڑائی لیتے، اس کا سبب کیا تھا؟ انگریز عمائدین حکومت و سیاست اور پادری صاحبان کا ایک کمیشن بٹھا کر اس کا تجزیہ کیا تو 1864ء میں رپورٹ یہ سامنے آئی کہ مسلمانوں کے پیغمبر کی تعلیم یہ ہے کہ غیرملکی آقاؤں کی غلامی جرم ہے۔ اس غلامی کی زنجیروں کو توڑ پھینکنا لازم ہے اس لئے وہ بار بار سرگرم عمل ہوجاتے ہیں۔ مسلمانوں کو رام کرنے کے لئے مشائخ و علماء کی ایک کھیپ سے کام لیا گیا، انہیں شمس العلماء اور اعلیٰ حضرت جیسے خطابات سے نوازا گیا لیکن بات بن نہ سکی۔ بعض علماء کی طرف سے مجاہدین ملت اسلامیہ کے خلاف پروپیگنڈہ کا طوفان کھڑا ہوا لیکن پھر بھی معاملہ حل نہ ہوسکا تو اب ایک عدد نبی کی ضرورت محسوس ہوئی جو سابقہ نبی کی شریعت کی منسوخی کا اعلان کرے، جہاد کو دور ماضی کا قصہ بتلائے اور مسلمانوں کو اس سے روکے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے ٹھیک انہی خطوط پر کام کیا۔ جب 1908ء میں ان کا انتقال ہوا تو ان کے مرید باصفا حکیم نورالدین بھیروی ان کے جانشین و خلیفہ قرار پائے، حکیم صاحب سے مرزا صاحب کا جو تعلق تھا اس کا اندازہ مرزا صاحب کے اس مرے ہوتا ہے جس میں مرزا صاحب نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اچھا ہوتا کہ ہر امت میں ایک نورالدین ہوتا۔ قادیانی جماعت میں جتنے پڑھے لکھے لوگ تھے وہ سب کے سب حکیم نورالدین کے شاگرد تھے اور مرزا صاحب کی اولاد محض "صاحبزادگی" کے زعم کا شکار تھی اس لئے عام خیال یہی تھا کہ حکیم صاحب کے بعد جو شخص برسرخلافت آئے گا وہ جماعت کا کوئی پڑھا لکھا شخص ہوگا لیکن مرزا صاحب کی اولاد بالخصوص ان کے بڑے بیٹے مرزا بشیرالدین محمود نے ایسا جال بنا کہ حکیم صاحب کا سارا حلقہ بے نیل و مرام قادیان سے اٹھ کر لاہور آگیا اور مولوی محمد علی کی قیادت میں ایک نئی جماعت تشکیل دے لی۔ جبکہ قادیان کا مرکز اب بالکلیہ مرزا صاحب کی اولاد کے قبضہ میں تھا اور جملہ حواری ان کے ساتھ تھے یہ سلسلہ جو 1914ء سے جاری ہوا وہ اب تک جاری ہے مرزا محمود کے بعد اس کا بیٹا مرزا ناصراحمد برسرخلافت آیا تو اس کے بعد اس کا بھائی مرزا طاہر احمد، جو اب تک

مرزا بشیرالدین محمود نے دنیا کے بڑے حصے میں سازشوں کا ایک جال پھیلا دیا

اس منصب پر فائز ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود انتہائی ہوشیار' چالاک' عیار اور فریبی انسان تھا اس نے اپنی جماعت کی طرح تنظیم کی کہ دنیا کے بڑے حصہ میں سازشوں کا ایک جال پھیلا دیا یورپین ممالک تو ان کے پنے تھے ہی کہ انہی کے شہ پر وہ بر سر عمل تھے اور وہی انہیں خوراک فراہم کر رہے تھے انہوں نے روس' جرمنی' ایشیائی اور افریقی ممالک کو اپنی توجہات کا مرکز بنایا۔

قادیانی جماعت کے اعتقادی اور فکری نظریات کو علماء نے بہت جلد سمجھ کر ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ اس ضمن میں لدھیانہ کے علماء کا رول سب سے بڑھ کر ہے تو مولانا رشید احمد گنگوہی اور ان کے عقیدت مندوں نے بھی اپنی ذمہ داریوں کا شدت سے احساس کیا۔ مولانا گنگوہی کے براہ راست شاگرد اور ایک واسطہ سے شاگرد (دوہری حیثیت) مولانا سید انور شاہ نے سب سے بڑھ کر اس محاذ پر کام کیا جس نے بہاولپور کے مقدمہ سے لے کر علامہ اقبال کو اس محاذ پر سرگرم عمل کرنے تک ان کا ایک رول ہے' ادھر اپنی بہت سے شاگردوں

قادیانیت کی مخالفت کرنے کی پاداش میں

علامہ اقبال کو قادیانیوں نے آج تک معاف نہیں کیا!

سے تحریری سرمایہ مرتب کرانے کے ساتھ انہوں نے ملک کی ایک منظم و مقبول جماعت مجلس احرار اسلام کو قادیانیت کے تعاقب پر لگایا اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر شریعت کا مقام دے کر ایک منظم جدوجہد کا آغاز کیا۔ ندوۃ العلماء کے بانی مولانا سید محمد علی مونگیری بھی ان بزرگوں میں شامل ہیں جنہوں نے اس محاذ پر بڑا جاندار کردار ادا کیا جبکہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں سے مرحوم چودھری افضل حق' علامہ اقبال اور پروفیسر الیاس برنی کا نام بڑی شہرت کا حامل ہے۔ چودھری صاحب نے قادیانیت کا تجزیہ کرتے ہوئے اسے ان مراعات یافتہ طبقات کا تسلسل قرار دیا جو 1857ء سے برابر انگریز سرکار کے دم سے چھلا کا کردار ادا کر رہے تھے' وہ طبقات جو استحصالی عناصر کی لوٹ مار کے لئے انتہائی بے شرمی اور ڈھیٹ پنے سے شرعی سند مہیا کرنے میں مشغول تھے جن کا کام غریب اور متوسط طبقہ کے زخموں پر نمک پاشی تھا جو صد درجہ ظالمانہ رول ادا کرنے میں لگے ہوئے تھی چودھری صاحب نے "تاریخ احرار" میں جو لکھا ہر چند کہ بڑا مختصر ہے لیکن ایک صاحب نظر اس متن کی شرح میں بہت کچھ لکھ سکتا ہے۔

علامہ اقبال جن کے مراسم و تعلقات قدیم سے قادیانی جماعت سے تھے اور بدقسمتی سے جن کے خاندان کے بہت سے افراد قادیانی ہو چکے تھے خود ایک وقت میں قادیانیوں کے جال کا شکار ہو گئے گو کہ عنوان بڑا معصوم تھا یعنی مظلوم کشمیریوں کی مدد' جس کے لئے بنائی گئی کمیٹی میں مرزا بشیر الدین کے ساتھ علامہ اقبال بھی شامل تھے لیکن درحقیقت یہ ایک خوفناک سازش تھی کہ کشمیری مظلوموں کو قادیانیت کے جال میں پھنسا کر کشمیر کو قادیانیت کی بیس (BASE) بنایا جائے ایسے ہی جیسے تقسیم ملک کے بعد قادیانیوں نے بلوچستان کو بیس بنانے کی کوشش کی' لیکن مولانا سید انور شاہ کی نگاہ بصیرت اس سازش کو بھانپ گئی اور وہ بہاولپور سے واپسی پر لاہور آکر بڑی اہتمام سے اقبال کو ملے' کئی گھنٹہ کی تنہائی کی ملاقات' اپنا کام کر گئی اور اقبال کا جو اپنا مصرعہ ہے کہ ع نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں---- تو اس کے مصداق اقبال ایک مرد مومن کے اثر سے وہ کام کر گئے کہ قادیانیت آج تک ان کو معاف نہیں کر پائی۔ لاہور کے ایک سکہ بند قادیانی نے اقبال کے فرزند کی کتاب "زندہ رود" کا جو تعاقب لکھا' "اقبال اور

احمدیت" کے نام سے' یا اقبال کے حقیقی بھتیجے شیخ اعجاز احمد نے "مظلوم اقبال" کے نام سے جو لکھا وہ قادیانیوں کے اسی جذبہ انتقام کا غماز ہے افسوس یہ ہے کہ جس اقبال کو پاکستان کا مصور کہا جاتا ہے اس کے پاکستان میں' بالخصوص پاکستان کی بانی جماعت نے اقبال کے نظریات کی ذرہ برابر لاج نہیں رکھی اور جب بھی یہاں مسلم لیگ کا راج رہا' وہی دور قادیانی حضرات کے لئے بہت مفید ثابت ہوا' اقبال نے پنڈت نہرو کے جواب میں جو لکھا اس کی چوٹ آج بھی قادیانی محسوس کرتے ہیں۔

قادیانیوں کو دین و ملت کے ساتھ ملک کا غدار قرار دینے کا سرا اقبال کے سر ہے تو ایک غیر مسلم اقلیت کے طور پر ان کے علیحدہ تشخص کا مطالبہ بھی سب سے پہلے اقبال نے کیا لیکن پنجاب میں اقبال کے حریف محروم تھے یا آج کی طرح ان پر بھی اس قسم کے فیصلوں کے لئے کسی بیرونی طاقت کا دباؤ تھا؟ بانی پاکستان کی ان نوازشات کے باوصف چودھری ظفراللہ نے اپنے محسن کا جنازہ تک نہ پڑھا اور ہر موقع پر پاکستان سے زیادہ اپنے جماعتی اور گروہی مفادات کا پاس کیا۔ چودھری صاحب کی عنایات سے نہری پانی اور کشمیر کے مسائل الجھے۔ روس و افغانستان سے ہمارے تعلقات بگڑے اور عرب دنیا میں ہمارا امیج تباہ ہوا لیکن بانی پاکستان کے جانشین برابر ان کی نازبرداریاں کرتے رہے اور وہ برابر سات برس اس اہم منصب پر فائز رہے' ان کی حیثیت کے سبب انہیں ایک موقعہ پر کعبتہ اللہ کے سالانہ غسل میں شریک کیا گیا اور یوں پاکستانی اکابرین و عمائدین عتاب الٰہی کو دعوت دیتے رہے۔

پاکستان میں سرظفراللہ کو اہم مناصب کیوں دیئے گئے؟

سرشفیع نے اپنی ریٹائرمنٹ پر چودھری ظفر اللہ خان کو وائسرائے کی ایگزیکٹو کا ممبر بنوا کر ظلم عظیم کیا تو 1946ء کے اجلاس مسلم لیگ دہلی خصوصی سیشن کا صدر اسی ظفر اللہ کو بنایا گیا یوں مسلم لیگ نے اقبال کی روح کو مضطرب کیا۔ اس معاملہ میں اقبال کی غیرت کا یہ حال تھا کہ اس نے اپنے دوست سر راس مسعود کو اپنے بچوں کی سرپرستی کے لئے لکھا اور کہا کہ چونکہ ان کے بھائی قادیانی ہیں اس لئے وہ اس کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی غیر مسلم ان کے بچوں کا سرپرست ہو' لیکن اقبال کے خواب کی تعبیر پاکستان کی شکل میں سامنے آئی تو اس کی سرحدوں کے تعین کے لئے جو کمیشن تجویز ہوا اس میں پاکستان کے کیس کے لئے بانی پاکستان نے چودھری ظفر اللہ خان کو نامزد کر دیا جس نے اپنے باس مرزا محمود کی خواہش کے احترام میں گورداسپور کا علاقہ ہندوستانی نمائندوں کے بقول طشتری میں رکھ کر ہندوستان کو دے دیا لیکن ستم یہ ہے کہ پھر اسی ظفراللہ کو بانی پاکستان نے پاکستان کی وزارت خارجہ سونپ دی' کیوں؟ بانی پاکستان اپنی گرتی صحت کے پیش نظر صحیح فیصلوں کی قوت سے

قادیانی حضرات نے بیرونی سفارت خانے اپنے باطل نظریات کی تبلیغ کے اڈے بنا دیئے۔ بلوچستان میں وسیع پیمانے پر سازش کا جال بچھایا تا کہ یہ خطہ جو اب تک برطانوی انتداب میں تھا اس کو اپنی ہیں ہتھیایا جاسکے۔ ایک منظم منصوبہ بندی کے تحت اس نوزائیدہ مملکت کی کلیدی آسامیوں پر قادیانی حضرات کی تقرریاں ہوتی رہیں حتیٰ کہ خواجہ ناظم الدین کے زمانہ میں وہ وقت آگیا کہ چودھری ظفراللہ سرکاری حیثیت میں کراچی کے ایک جلسہ میں شریک ہوئے اور وہاں جو بھاشن دیا اس میں حضور اکرم محمد مصطفیٰؐ کے دین کو مردہ دین اور مرزا صاحب کے دین (؟) کو زندہ دین قرار دیا۔ لحظہ بہ لحظہ حالات بگڑے تو اہل دین اور غیرت مندان ملت سامنے آگئے۔ حکومت سے رابطہ پر انہیں مایوس ہونا پڑا کہ خواجہ صاحب نے چودھری صاحب کی علیحدگی پر امریکی ناراضی کے خدشہ کا اظہار کیا' یہی اسباب تھے جن کی وجہ سے 1953ء کی تحریک بپا ہوئی جو مجلس عمل اس تحریک کی ذمہ دار تھی اس میں ملت کا ہر دردمند اور دین کا ہر بہی خواہ شامل تھا۔ یہ بات تسلیم کرنا ہوگی کہ تحریک کو تشدد کی راہ پر ڈالنے میں جہاں خفیہ ایجنسیوں میں

تھے قادیانیوں اور ان کے گماشتوں کا رول تھا وہاں مولانا عبدالستار نیازی نے بھی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا اور وقت آیا تو داڑھی منڈا کر فرار ہونے کی کوشش کی جبکہ بہ حیثیت جماعت' جماعت اسلامی نے اس وقت کسی اچھے کردار کا مظاہرہ نہ کیا حالانکہ جماعت کے ذمہ دار نمائندے تمام بنیادی فیصلوں میں برابر کے شریک تھے جبکہ تمام عمائدین کے جیل جانے کے بعد مرحوم مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے بھی مسٹر دولتانہ اور مسلم

> • شاہ فیصل نے مجھ سے کہا "بھٹو سے اسلام نافذ کرادو
> کئی سال کا پاکستانی بجبٹ دے دوں گا!
>
> • میرے کہنے پر شاہ فیصل نے بھٹو کو ہم ،ء کی آئینی ترمیم کی راہ پر ڈالا
>
> —— خطیب شاہی مسجد کی شاہی غلط بیانیاں

لیگی قیادت سے اپنے تازہ بتازہ تعلقات کے سبب ایک ایسا بیان دیا جو ان کی شان رفیع سے فروتر تھا اور اسی وجہ سے پھر قائد الاحرار سید عطا اللہ شاہ بخاری کے ان سے مراسم بحال نہ ہوسکے۔ جماعت اسلامی کے رویہ کا تجزیہ مرحوم ماسٹر تاج الدین انصاری نے اپنی ایک تحریر "بیان صادق" میں کیا۔ جماعت کے اکابر جب بھی اور اب بھی یہ باور کراتے ہیں کہ ہماری خواہش اسلامی نظام کی قرارداد و مطالبہ کی تھی' یہ مسئلہ بھی اس میں حل ہوجاتا لیکن احراری بزرگ کریڈٹ کے چکر کا شکار تھے۔" یہ اتنی صریح غلط بیانی ہے کہ اس کی تردید کے لئے الفاظ کا چناؤ مشکل ہو رہا ہے۔ حکومت کا رویہ انتہا درجہ گھٹیا' سوقیانہ مستبدانہ اور باعث شرم تھا۔ وہ فوج کو کشمیر کی جنگ میں اپنی اصلیت ظاہر کرچکی تھی اسے جنرل اعظم کی سربراہی میں مسلمان عوام کے سینے چھلنی کرنے پر لگا دیا گیا اور لاہور کو مارشل لاء کے سپرد کرکے ہلاکو' چنگیز اور جنرل اڈوائر جیسے رسوائے زمانہ لوگوں کی یاد تازہ کی گئی۔

اس ظلم کا آخری بند وہ انکوائری کورٹ تھی جس کے سربراہ جسٹس منیر تھے' وہی جسٹس منیر جو آئندہ چل کر گورنر غلام محمد کے غیردستوری اور آمرانہ و ظالمانہ اقدامات کو تحفظ دینے کا سبب بنے۔ اس کورٹ میں مجلس عمل کی طرف سے مولانا مظہر علی اظہر بھی پیش ہوئے۔ 46-1945ء کے الیکشن میں انتخابی معرکہ کے دوران مولانا مظہر علی نے صدر مسلم لیگ کی شادی کے حوالہ سے ایک شعر پڑھ کر ان کی نظریاتی و اعتقادی حیثیت کو چیلنج کیا۔ یہ شعر مولانا کے ذاتی خیالات کا ترجمان تھا۔ مجلس احرار کے سنجیدہ بزرگوں نے اس کو پسند نہ کیا لیکن حیرت اس پر تھی کہ جسٹس منیر اس قضیہ کو لے کر بیٹھ گئے اور اس شعر کی بحث چھیڑ دی۔ ہرچند مولانا مظہر علی اظہر نے اس معاملہ کو نظرانداز کرنے کی استدعا کی کہ موجودہ انکوائری سے اس کا تعلق نہ تھا لیکن منیر کی بے حد ضد اور اصرار پر مظہر علی نے للکار کر شعر پڑھ ڈالا جس پر منیر نے کہا کہ مولانا ایسی باتوں پر لوگ قتل ہوجاتے ہیں تو مظہر علی نے جواباً کہا "مائی لارڈ اگر ایسا ہوا تو میرے قتل کی ذمہ داری عدالت مجاز پر ہوگی۔" اس پر جسٹس منیر اضطراب کا شکار ہوگیا اور بانی پاکستان کی ہمشیرہ نے ایک تار کے ذریعہ اپنے بھائی کی بے عزتی کا باعث جسٹس منیر کو قرار دیا جس نے یہ بحث بلاوجہ چھیڑ دی۔ مولانا مظہر علی کی اس جرات رندانہ پر مولانا عبدالقادر رائے پوری ان کے مکان پر انہیں مبارک دینے گئے اور واپسی پر مولانا احمد علی کو بتلایا تو مولانا احمد علی نے مولانا رائے پوری کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے فرض کفایہ ادا کیا۔

1953ء کا سال ہرچند کہ اہل دین اور بہی خواہان ملت کے لئے بظاہر ناکامی کا سال تھا لیکن جو چنگاری تھی وہ بجھ نہ سکی' البتہ راکھ میں دب گئی۔ عمائدین حکومت نے چونکہ ملٹری کا سہارا لیا تھا اس لئے انہیں آئندہ چل کر نہ صرف فوج کے ہاتھوں مسلسل خوار ہونا پڑا بلکہ قادیانیوں کی زیر زمین سازشوں کی سبب ملک کی بربادی کا تماشہ بھی دیکھنا پڑا۔ قادیانی ملک کی تقسیم کو اپنے عقیدہ کے منافی قرار دیتے اس لئے ان کی برابر کوشش رہی کہ پاکستان ایک بار پھر اکھنڈ بھارت کا

حصہ بن جائے۔ مسلم لیگی عمائدین اس راز کو نہ پا سکے وہ احرار و جمعیتہ کے اکابرین کو کوستے رہے اور قادیانیوں کو سینہ سے لگا کر رکھا حتیٰ کہ آغا یحییٰ خان جیسے رسوائے زمانہ مجمی ذوق و مسلک فرد کے زمانہ میں مرزا غلام احمد کے پوتے مرزا احمد (ایم۔ ایم۔ احمد کو ملک میں نمبر 2 کی حیثیت حاصل ہوئی اور یار لوگ مشرقی پاکستان الگ کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ اے کاش حمود کمیشن کی رپورٹ سامنے آجاتی تو یہ عقدہ حل ہو جاتا۔ تاہم یہ ضرور ہوا کہ 1953ء میں جو چنگاری دب گئی تھی وہ پھر بھڑک اٹھی لیکن اب یہ چنگاری بھڑکی تو اب مسلم لیگ کے اہل صلاح و تقویٰ کی حکومت نہ تھی' بھٹو جیسے "بے دین" کا راج تھا۔ ملک بھر کے دینی طبقات' سیاسی جماعتیں اور ارباب دل سید محمد انور شاہ کے علمی جانشین مولانا سید محمد یوسف کی قیادت میں مجتمع ہو گئے۔ بھٹو نے انتہائی زیرکی کے ساتھ اس مسئلہ کو دستوری حوالہ سے حل کرنے کی غرض سے معاملہ پارلیمنٹ کے سپرد کر دیا۔ پارلیمنٹ نے قادیانی اور لاہوری ہر دو جماعتوں کے سربراہوں کو کٹہرے میں لا کھڑا کیا اور سب کچھ ان کے منہ سے اگلوایا آخر وہ لوگ اپنے جال میں پھنس گئے اور 7 ستمبر 1974ء کا دن اسلامیان پاکستان کے لئے ہزاروں خوشیوں کا پیغام لے کر طلوع ہوا۔ 1973ء کے اسلامی' جمہوری اور وفاقی آئین کی واحد ترمیم اس طرح سامنے آئی کہ اسے امت کی اجتماعی رائے حاصل تھی۔ اس آئینی ترمیم نے قادیانیوں کو دیوار کے پیچھے دھکیل دیا اگر 1953ء کی تحریک سے ان کا معاملہ تحریک سے گھٹ کر ایک گروہ کی شکل اختیار کر چکا تھا' تو اب ان کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ وہ ربوہ جس کے میناروں سے صدائے لاالہ بلند نہ ہوتی جہاں کا سٹیشن' ڈاک خانہ' کالج اور سکول اور سب کچھ قادیانیوں کے رحم و کرم پر تھا' اب اس کے چاروں طرف اس کے وسط میں محمدؐ عربی کی ختم نبوت کی منادی ہونے لگی۔ افسوس یہ ہے کہ 1974ء میں ایک مرکزی وزیر کی سرپرستی میں مجلس عمل کے اکابر بالخصوص مولانا بنوری کے خلاف جو لوگ اشتہار بازی [illegible] تحریک کے ہیرو بننے کی کوشش

کر رہے ہیں جس کی سب سے بھونڈی مثال وہ انٹرویو ہے جو لاہور کے ایک اخبار میں پچھلے دنوں شائع ہوا۔ شاہی مسجد کے خطیب محترم کے اس انٹرویو میں بتلایا گیا کہ انہوں نے مرحوم شاہ فیصل سے رابطہ کیا' انہوں نے بھٹو صاحب سے کہا اور بھٹو صاحب نے آئین میں ترمیم کر دی۔ مرحوم شاہ فیصل کی زندگی کے آخری ایام واقعی بڑی خوبصورت تھے لیکن ان کی ابتداء ایک وفادار امریکی حاکم کی تھی جس کا اقتدار اپنے حقیقی بھائی کے بے جان لاشے پر استوار کیا گیا۔ سعود مرحوم سامراج کی سازشوں کا شعور پا کر مصر پہنچے تاکہ مرحوم صدر ناصر سے دوستی استوار ہو سکے لیکن مرحوم سعود کو واپسی نصیب نہ ہوئی اور فیصل نے تخت سنبھال لیا' فیصل اچھے تھے لیکن

وہ ربوہ جس کے میناروں
سے صدائے لاالہ بلند نہ ہوتی
جہاں کا سٹیشن، ڈاکخانہ
کالج اور سکول وغیرہ
قادیانیوں کے رحم و کرم پر تھا
اب اس کے چاروں طرف
محمد عربیؐ کی ختمِ نبوّت
کی منادی ہونے لگی

ان کے اپنے ملک کا نظام نہ کل اسلامی تھا نہ آج ہے' وہاں ملوکیت ہے' وسائل رزق پر ایک خانہ ان کی اجارہ داری ہے اور وہ بہت کچھ ہے جس کی اسلام میں گنجائش نہیں لیکن حیرت ہے کہ خطیب شاہی مسجد' شاہی انداز کی غلط بیانی سے کام لے کر باور کراتے ہیں کہ فیصل مرحوم نے ان سے کہا کہ بھٹو سے اسلامی نظام نافذ کرا دو میں سالوں کا پاکستانی بجٹ دے دوں گا اور یہ کہ میرے کہنے پر انہوں نے بھٹو کو 74ء کی آئینی ترمیم کی راہ پر ڈالا۔

قادیانیت کے متعلق عرب دنیا کا پڑھا لکھا طبقہ چودھری ظفراللہ کی بے راہ روی سے آگاہ ہوا تو پھر

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کے حکم سے مولانا

ابوالحسن ندوی کی کتاب نے سارا معاملہ صاف کر دیا اور لطف یہ کہ سب سے پہلے مصر و شام میں اس تحریک پر قدغن لگی اور 1974ء کی تحریک کے ہیرو مولانا بنوری کا مخصوص احترام مصر، سعودیہ اور جملہ عرب ممالک میں تھا، لوگ ان کے علم کے پرستار اور ان کی دینی غیرت کے معترف تھے۔ شاہ فیصل مولانا کا حد درجہ احترام کرتے اور مولانا مرحوم فیصل سے ملے بھی لیکن خطیب شاہی مسجد جنھوں نے سربراہی کانفرنس کے موقعہ پر مخفی اشارہ سے "کنزالعلمال" کی حدیث کا ایک ٹکڑا پی لیا اور جو 1974ء میں مولانا بنوری کے خلاف اشتہاری مہم میں کلیدی ادا کرتے رہے آج فیصل، بھٹو اور بنوری سب کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر یہ باور کرا رہے ہیں کہ یہ سب ان کے دم قدم سے ہوا، جیسے وہ باور کراتے ہیں کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے فلاں فلاں عالم کو تربیت کے لئے ان کے سپرد کیا حالانکہ وہ خود محض چند دن شاہ جی کے بڑے فرزند کے مدرسہ میں طالب علم رہے۔ خطیب بادشاہی مسجد نے روسی حکمرانوں کو کیا کہا اور دنیا کے دوسرے ممالک کے حکمرانوں سے ان کے کتنے مراسم ہیں، ہمیں اس سے غرض نہیں لیکن ہم یہ ضرور درخواست کریں گے کہ وہ ان مقدس تحریکوں کے متعلق غلط تاثر پیدا نہ کریں اور اس ملک کی دینی، علمی اور ملی تاریخ کو گدلا نہ کریں، وہ عالمی مبلغ سہی، وہ چار چھوڑ چار سو روحانی سلسلوں کے شیخ سہی، وہ پی۔ایچ۔ڈی سہی، وہ بہت کچھ سہی لیکن وہ یہ مان لیں کہ اس ملک کی دینی و علمی تحریکوں میں ان کا مثبت رول کوئی نہیں، ہاں اہل تحقیق جائزہ لیں گے تو منفی رول ضرور نظر آجائے گا، ہم اس کی تفصیل عرض کر کے ان کے عتاب کا شکار نہیں ہونا چاہتے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ضیاء الحق مرحوم کے نظریاتی وارثوں سے ان کے گہرے مراسم ہیں اور وہ ہم جیسے خاک افتادگاں کے لئے کوئی نازک سے نازک فیصلہ کرا سکتے ہیں، لیکن ہماری یہ گزارش ناجائز تو نہیں کہ وہ باتیں نہ کہی جائیں جن میں ان کا حصہ نہیں۔۔۔۔ ہم سب نے کل صبح قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے، آج کا کوئی عہدہ، کوئی منصب، سرکار سے حاصل کردہ پلاٹ، مراعات اور کچھ بھی وہاں کام نہ آئے گا اس لئے سچ ہی لازم ہے کہ اسی سے نجات وابستہ ہے۔

بشکریہ ہفت روزہ چٹان۔ لاہور

تحریک آزادی کے نامور رہنما اور صاحب طرز ادیب مفکر احرار چودھری افضل حق کی خود نوشت سوانح

میرا افسانہ

چالیس برس بعد دوبارہ شائع ہو گئی ہے

○ میرا افسانہ ○ ایک عہد اور ایک زمانے کی سوانح ○ آزادی کے مجاہدوں کا تذکرہ

کمپیوٹر کتابت، اعلیٰ طباعت، خوبصورت جلد صفحات ۲۰۸ قیمت ۱۱۰ روپے